Pakistan Islamicus

(An International Journal of Islamic and Social Sciences)

Bi-Annual

Trilingual: Urdu, Arabic, and English

pISSN: 2789-9365 eISSN: 2790-4911

https://pakistanislamicus.com/index.php/home

Published by:

Muslim Intellectuals Research Center

Multan-Pakistan

website: www.mircpk.net

Copyright Muslim Intellectuals Research Center

All Rights Reserved © 2021. This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

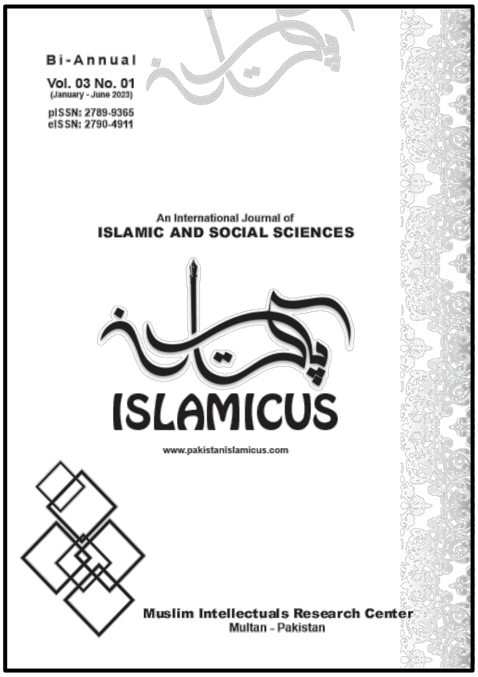

TOPIC

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مذہبی وسماجی ہم آہنگی کے فروغ میں "مکالمے" کی ضرورت واہمیت

SIGNIFICANCE OF DIALOGUE FOR RELIGIOUS AND SOCIAL HARMONY IN THE LIGHT OF ISLAMIC TEACHINGS

AUTHORS

Dr Hafiz Abdul Ghani

Associate Professor,

Department of Religious Studies, F.C. College University, Lahore, Punjab, Pakistan.

Email: razishaikh@gmail.com

Zaneera Azam

Lecturer

Department of Religious Studies, F.C. College University, Lahore, Punjab, Pakistan.

How to Cite

Dr Hafiz Abdul Ghani, & Zaneera Azam.

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مذہبی وسماجی ہم آہنگی کے فروغ میں "مکالمے" کی ضرورت واہمیت

SIGNIFICANCE OF DIALOGUE FOR RELIGIOUS AND SOCIAL HARMONY

IN THE LIGHT OF ISLAMIC TEACHINGS

PAKISTAN ISLAMICUS

(An International Journal of Islamic & Social Sciences). 3(01),

Pages 01-16

Retrieved from

https://www.pakistanislamicus.com/index.php/home/article/view/160

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مذہبی وسماجی ہم آہنگی کے فروغ میں "مکالمے" کی ضرورت واہمیت

SIGNIFICANCE OF DIALOGUE FOR RELIGIOUS AND SOCIAL HARMONY IN THE LIGHT OF ISLAMIC TEACHINGS

Dr Hafiz Abdul Ghani
Associate Professor,
Department of Religious Studies, F.C. College University, Lahore, Punjab, Pakistan.
Email: razishaikh@gmail.com

Zaneera Azam
Lecturer
Department of Religious Studies, F.C. College University, Lahore, Punjab, Pakistan.

Abstract

Pakistan has a great potential to grow but unfortunately, it is blanketed in some critical problems which are the hurdles in the way of social development and economic prosperity. These problems include violent extremism, anarchy, corruption, illiteracy, political rivalries, religious intolerance, social incoherence, and lack of fortitude. Consequentially the masses are insecure, restless, and perplexed. Solution to these societal ailments doesn't lie with an individual or a party rather it seeks national unity and societal integration. This research article analyzes the causes behind the absence of social harmony and recommends solutions for the establishment of a peaceful and progressive society. Effective social dialogue, communal discourses, critical thinking, national integration, tolerance, respect for diversity, fortitude, and democratic demeanor are pivotal for Pakistan to progress and be peaceful. To promote social coherence and religious harmony the researchers have expounded on the subjects related to respect for the diversity, advancement of democratic and civic values, supremacy of law, promotion of tolerance, societal fortitude, and providence of quality education and trainings. Particularly the necessity and significance of 'DIALOGUE' has been highlighted in the light of Islam. Specific suggestions pertinent to the promotion of social and religious harmony in educational institutes have also been presented in the article.

Keywords: Diversity, Globalization, Social Harmony, Interfaith Dialogue, Conflict Management.

ہمارے سامنے اکیسویں صدی کا وہ جدید عالمگیر معاشرہ ہے جس میں سماجی ترقی اور معاشی خوشحالی کے لامحدود امکانات ومواقع ہیں۔ پاکستان ان مواقع سے فائدہ اٹھا کر آگے بڑھنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہے مگر اس وقت وہ جن گھمبیر مسائل ومشکلات کا شکار ہے وہ اس کی ترقی وخوشحالی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ان مسائل میں انتہاء پسندی، دہشت گردی، بدامنی، کرپشن، جہالت، سیاسی عدمِ استحکام، فرقہ واریت، عدمِ برداشت، اور

غیر جمہوری رویہ سرِ فہرست ہیں۔اِن مسائل کا حل کسی ایک فرد، جماعت یاادارے کے بس کی بات نہیں، بلکہ اس کے لئے قومی یکجہتی اور سماجی ہم آہنگی درکار ہے۔ پاکستان کو امن، استحکام اور ترقی کی راہ پر گامزن کرنے اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے مؤثر سماجی مکالمے، باہمی گفت وشنید، اتحاد واتفاق ، قومی یکجہتی، برداشت ورواداری، احترامِ انسانیت، جمہوری رویے، اور قانون کی حکمرانی ضروری ہے مگر بدقسمتی سے ہمارے ہاں قومی یکجہتی وسماجی ہم آہنگی کے فروغ کے لئے "مشاورت ومکالمے" کی صورتِ حال تشویش ناک ہے۔اس تحقیقی مضمون میں سماجی ہم آہنگی کے فقدان کے اسباب ومضمرات کا جائزہ لے کر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اُن کا حل تجویز کیا گیاہے۔ محققین نے سماجی ہم آہنگی کے فروغ کے لئے اختلافِ رائے کے احترام، جمہوری اقدار کے فروغ، رواداری وبرداشت، تنقیدی وتخلیقی فکر پر بالعموم جبکہ "سماجی رابطوں اور مکالمے" کی ضرورت واہمیت پر بالخصوص زور دیاہے۔ مذہبی وسماجی ہم آہنگی کے فروغ کے لیے بعض تعلیمی وتربیتی پروگراموں کے اجراء کی تجاویز بھی پیش کی ہیں۔

مقاصدِ تحقیق

اس تحقیقی مقالہ کے مقاصد واہداف مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ سماجی ہم آہنگی کی ضرورت واہمیت واضح کرنا۔

2۔ سماجی غیر ہم آہنگی، فرقہ واریت، عدمِ برداشت اور انتہاء پسندی کے اسباب، علامات اور مضمرات کی نشاندہی کرنا۔

3۔ گفت وشنید، مکالمے، سماجی تعلقات، اصولِ اختلاف، اور جمہوری رویے کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر پیش کرنا۔

4۔ پاکستان میں سماجی ہم آہنگی، مکالمے، قیامِ امن اور بقائے باہمی کے فروغ کے لیے سفارشات پیش کرنا۔

تعارف

جدید دنیادو نمایاں خصوصیات، تکثیریت وعالمگیریت، کی حامل ہے۔ آج کی دنیا کا کوئی بھی روایتی یا جدید ترقی یافتہ معاشرہ پوری طرح یکساں اور مماثل نہیں۔ ہر جگہ تنوع اور سماجی گروہ پائے جاتے ہیں جو ایسے افراد سے تشکیل پاتے ہیں، جو زبان، ثقافت، نسل، سماجی یا اقتصادی طبقہ اور مذہبی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف اور ممتاز ہیں۔ لفظ تکثیریت یا تنوع ایک ایسی حالت کی نشاندہی کرتا ہے جس میں تمدن کے تنوع کے ساتھ ساتھ حقیقت اور صداقت کے بھی مختلف طبقہ ہائے خیال، نقطہ ہائے نظر، زاویہ ہائے نگاہ اور توضیحات موجود ہوتی ہیں اور وہ ایک دوسرے پر حاوی بھی

نہیں ہوتیں۔ تکثیریت سے مراد عقائد، اقدار، نظریات، نسل، رنگ، زبان، تہذیب، ثقافت، اور شناخت وغیرہ کا تنوع ہے۔ یہ تنوع ایک طرف زندگی کا عظیم حسن ہے تو دوسری طرف سماجی ہم آہنگی کے لئے ایک بڑا چیلنج بھی۔ تکثیریت کی وجہ سے ایک طرف انسانوں کی تخلیقی صلاحیتوں میں اظہار ہوتا ہے تو دوسری طرف اس تنوع کے ہوتے ہوئے سماجی زندگی میں ہم آہنگی، تعاون اور اتفاق کا پیدا کرنا ایک چیلنج ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"[1]

(اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا اور لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور البتہ تم سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔)

اس آیت کی روشنی میں تنوع ایک قدرتی امر ہے اور ہمارے سامنے دو ہی راستے ہیں: یا تو سماجی تکثیریت اور تنوع کو بزورِ طاقت اور جبر واستحصال ختم کر کے افراد کے درمیان نظریاتی، ثقافتی، اور تمدنی ہم رنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جو کہ ناممکن ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نظریاتی، ثقافتی، مذہبی، اور تمدنی تنوع کی تحسین کرتے ہوئے اس میں وحدت و ہم آہنگی کو تلاش کیا جائے، تاکہ معاشرے کا حسن اور انسانوں کی آزادی بھی برقرار رہیں اور سماجی امن وامان کو بھی کوئی خطرہ نہ ہو۔ یقیناً دوسرا راستہ ہی زیادہ موزوں ہے کیونکہ اسی میں سب کی بھلائی، سالمیت، تحفظ، اور تعمیر و ترقی کا راز مضمر ہے۔

پاکستان جس عظیم مقصد کے لئے معرضِ وجود میں آیا تھا اس کے حصول کے لئے پوری قوم کو باہمی اتحاد و یکجہتی کے ساتھ جہدِ مسلسل کرنے کی ضرورت تھی تاکہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ممکن ہو سکے جو صحیح معنوں میں آزاد، اسلامی، جمہوری اور فلاحی معاشرہ ہو۔ بدقسمتی سے پاکستانی معاشرہ قومی یکجہتی اور سماجی ہم آہنگی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے غیر ہم آہنگی، فرقہ واریت، سیاسی نفرت، عدم برداشت اور انتہاپسندی و دہشت گردی کا شکار ہو گیا ہے جس سے قومی ترقی کی منزل دور سے دور ہوتی چلی گئی ہے۔ پاکستان میں سماجی غیر ہم آہنگی کے بڑے اسباب جہالت، اناپرستی، ذاتی مفادات، بیرونی سازش، غربت، فرقہ واریت اور قانون کی حکمرانی کا فقدان ہے۔

سماجی غیر ہم آہنگی کے اسباب پر قابو پانے کے لئے ضروری ہے کہ معیاری تعلیم و تربیت عام ہو، معاشی استحکام ہو تاکہ معاشی بہتری آئے، ذاتی انا سے بالاتر رہا جائے، ذاتی مفادات پر قومی اہداف، وژن، اور اقدار کو ترجیح دی جائے، قومی سلامتی کے ادارے ملکی سلامتی اور خودمختاری کا تحفظ کریں، اور

---

[1] النحل 93:16 — Al-Nahl 16:93

آئین و قانون کی حکمرانی قائم کی جائے۔ ان تمام اہداف کو حاصل کرنے کے لئے قومی سطح پر باہمی مشاورت، جمہوری رویے اور "مکالمے" کی ضرورت واہمیت غیر معمولی ہے۔ تمام جمہوری معاشروں میں فیصلہ سازی اور حلِ تنازعات کے لئے "مکالمے" کی اہمیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں بھی مکالمے کی اہمیت مسلمہ ہے۔ پاکستان اس وقت جس صورتِ حال سے دوچار ہے اس سے نکلنے کا راستہ بھی باہمی مشارت و سماجی مکالمہ ہے جس سے قومی یکجہتی اور سماجی ہم آہنگی کو فروغ مل سکتا ہے۔

مکالمہ کا لغوی معنی

لغوی اعتبار سے لفظ مکالمہ عربی زبان کے لفظ کلام سے نکلا ہے جس کا مختلف قوامیس میں معانی مندرجہ ذیل ہیں

- دو یا دو سے زیادہ لوگوں کے درمیان زبانی گفتگو کو مکالمہ کہا جاتا ہے۔[2]
- دل میں موجود معنیٰ کا الفاظ سے اظہار کو مکالمہ کہا جاتا ہے۔[3]
- نطق و تحدیث کو بھی مکالمہ کہا جاتا ہے۔[4]
- کسی سے خطاب کرنا، کسی کو مخاطب بنانا کسی سے بولنا کلام کرنا۔[5]

مکالمہ کا اصطلاحی مفہوم

- مکالمے کا مطلب کسی مسئلے یا صورتِ حال میں اتفاقِ رائے کے حصول کے لیے باہمی افہام و تفہیم کی کوشش ہے۔[6]
- مکالمہ جس کو انگریزی زبان میں ڈائیلاگ بھی کہا جاتا ہے، کا مطلب اگر مذہبی غایت سے دیکھیں تو مکالمہ مسابقہ نہیں ہوتا ہے، اس کا اصل مطلب اختلاف رائے یا اتفاق رائے پر پرامن انداز سے گفتگو کو ترویج دینا ہے۔[7]
- مکالمہ کو اصلاً سمجھنے کے لیے اس بات کا ادراک نہایت ضروری ہے کہ قاری کو مکالمے اور مباحثے کے درمیان بنیادی فرق کا اندازہ ہو، مکالمہ میں فریقین میں سے کسی ایک کے موقف کی تائید یا جیت مکالمے کی تاثیر سے مشروط نہیں ہوتی، مباحثے میں عموماً فریقین کی غایت اپنے موقف کا غلبہ ہوتا ہے، اس لیے مکالمے کے لیے ضروری ہے کہ فریقین ایک دوسرے کی بات اور موقف کو سمجھنے کے مقصد کو فوت نہ ہونے دیں۔[8]

---

[2] لسان العرب لابن منظور - جزء-4/ مجموعۃ دراسات معجمیۃ، طبع ثانی۔(دار الکتب العلمیہ:1996)
Lisān al-ʿArab li-Ibn Manẓūr - juzʾ - 4 / Majmūʿat Dirāsāt Maʿjamiyya, ṭabʿ thānī. (Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya: 1996)

[3] المعجم الوسیط– جزء-2، طبع چہارم۔ مجمع اللغۃ العربیۃ-(مکتبۃ الشروق الدولیۃ:2004)
al-Muʿjam al-Wasīṭ – juzʾ - 2, ṭabʿ chahārim. Majmaʿ al-Lugha al-ʿArabiyya - (Maktabat al-Shurūq al-Duwaliyya: 2004)

[4] المنجد في اللغة لویس معلوف، طبع نوزدہم۔(المطبعۃ الکاثولیکیۃ–بیروت:2010)
al-Muʿjam al-Wasīṭ – juzʾ - 2, ṭabʿ chahārim. Majmaʿ al-Lugha al-ʿArabiyya - (Maktabat al-Shurūq al-Duwaliyya: 2004)

[5] الرائد معجم لغوي عصري، جبران مسعود، طبع ہفتم۔(دار العلم للملایین:1992)
al-Rāʾid Maʿjam Lughawī ʿAṣrī, Jubrān Masʿūd, ṭabʿ haftam. (Dār al-ʿIlm li-al-Malāyīn: 1992)

[6] Banathy, Bela H., and Patrick M. Jenlink, eds. Dialogue as a means of collective communication, pg 12. New York, NY: Kluwer academic/plenum publishers, 2005.

[7] Isaacs, William N. "The process and potential of dialogue in social change" Educational Technology 36, no.1 (1996): 20-30.

[8] Romney, Patricia. "The art of dialogue." Animating Democracy (2005): 1-22.

سماجی ہم آہنگی کے فروغ میں مکالمے کی اہمیت

مکالمے کے لغوی و اصطلاحی معنی و مفہوم سے واضح ہوا کہ مکالمہ دو یا زیادہ افراد کے درمیان سماجی ابلاغ کا ایک مؤثر اسلوب ہے جس کے ذریعے انسان ایک دوسرے کے مؤقف کو سمجھتے، آپس کے تعلقات کو مضبوط کرتے اور معاشرتی زندگی کے مشترکہ معانی تلاش کرتے ہیں۔ باہمی تفہیم اور احترام کے جذبے کے ساتھ مکالمہ تعاون پر مبنی دوطرفہ گفت و شنید کا ایسا عمل ہے جس سے ایک دوسرے کے مؤقف اور مقصد کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور اس عمل سے سماجی طبقات میں ہم آہنگی بڑھتی ہے اور سماجی مسائل کے بہتر اور پُرامن حل کی تلاش ممکن بنتی ہے۔ مکالمے کے ذریعے دو افراد یا گروہ ایک دوسرے کے مؤقف اور احساسات سے پُوری طرح واقف ہو کر ایک دُوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے معاشرتی ربط اور تعلقات میں بہتری آتی ہے۔ مکالمے میں ذاتی تجربے کو شعورِ ذات اور تفہیم کی بنیادی اکائی تصور کیا جاتا ہے اور اس عمل میں شناخت کے تحفظ اور اختلافات کے حل کی دریافت کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ سماجی ہم آہنگی سیاسی و مذہبی قوتوں کے مابین تعلقات کی نوعیت سے بہت متاثر ہوتی ہے۔ یعنی اگر مذہبی، سیاسی، اور دیگر سماجی قوتوں کے درمیان صحت مندانہ مکالمے، رابطے، احترام اور ہم آہنگی کی روایت موجود ہے تو سماجی تعلقات پر اس کے بہت مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔ بصورتِ دیگر سماجی ہم آہنگی کو شدید خطرات لاحق رہتے ہیں۔ [9]

مکالمے کے اغراض و مقاصد

یوں تو مکالمہ اپنی نوعیت میں ایک سماجی عمل ہے جو کسی بھی سماجی مقصد کے حصول یا کسی سماجی مسئلہ کے حل کے لئے کیا جاسکتا ہے، تاہم مکالمے کے تین عمومی اور روایتی مقاصد ہوتے ہیں۔

1۔ قیامِ امن و حلِ تنازعات

2۔ اجتماعی اہداف کا حصول

3۔ سچائی کی تفہیم و تلاش

1۔ قیامِ امن و حلِ تنازعات

سماجی و اجتماعی زندگی میں تنوع اور تکثیریت کے باعث اختلافات، مشکلات یا تنازعات کا جنم لے لینا معمول کی بات ہے۔ مگر انتہائی ضروری ہے کہ باہمی گفت و شنید اور مکالمے کی روایت برقرار رہے۔ تنازع عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مصدر نزع/نازع ہے۔ ماہرینِ لسانیات نے تنازع کے لغوی معانی حسبِ ذیل بیان کیے ہیں:

[9] Retrieved August 26, 2022, from https://www.mukaalma.com/6546

- اختلاف، مخاصمہ، لڑائی جھگڑا، کسی شے کو اپنی طرف کھینچنا[10]
- کسی چیز کا مفقود ہونا، کسی چیز کو متنازع بنانا[11]
- زبردستی قبضہ، لوٹ مار، کسی چیز کا منتقل ہونا، کسی چیز کا متحرک ہونا[12]
- کسی چیز کو جڑ سے اکھیڑنا۔[13]

اصطلاحی اعتبار سے تنازع کی مندرجہ ذیل تعریفات کی جاتی ہیں۔

- دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان انفرادی یا گروہی اختلاف کو تنازع کہا جاتا ہے۔[14]
- سماجیات کے علم کی رو سے تنازع مفادات کا بین الافراد یا بین الگروہی تصادم کا نام ہے، یہ تصادم منظم، غیر منظم، جزوقتی، کل وقتی، جسمانی، روحانی، عقلی یا متنوع اقسام کا ہو سکتا ہے۔[15]
- تنازع ایک ایسے سماجی عمل کا نام ہے جس میں افراد یا گروہ کسی ایک مقصد کے یک طرفہ حصول کے لیے کوشاں ہوں، اور اس عمل میں وہ مخالف کے ساتھ رقابتی رویہ رکھیں۔[16]

تنازعات واختلافات کی بہت سی اقسام ووجوہات ہیں مثلاً گروہوں کے درمیان تنازعات، افراد کے مابین اختلافات، نظریاتی اختلافات وتنازعات، سیاسی اختلافات وتنازعات، بین المذاہب تنازعات، بلاواسطہ وبالواسطہ اختلافات، فرقہ وارانہ اختلافات وتنازعات وغیرہ۔[17]

جب معاشرے میں عدمِ برداشت، عدمِ رواداری اور غیر ہم آہنگی جیسے سماجی مسائل موجود ہوں تو مکالمہ کا مقصد قیامِ امن اور حلِ تنازعات ہو گا۔ جیسا کہ عصرِ حاضر میں دنیا کے امن کو بے شمار خطرات لاحق ہیں اور ساری دنیا خود کش حملوں اور جوابی حملوں کی وجہ سے پریشان ہے۔ حتیٰ کہ بعض حلقوں میں یہ بے چینی بھی پائی جاتی ہے کہ دنیا ایک تہذیبی کشمکش کی طرف بڑھ رہی ہے۔[18]

---

[10] لسان العرب لابن منظور- جزء-2/ مجموعۃ دراسات معجمیۃ، طبع ثانی۔(دارالکتب العلمیہ:1996)
Lisān al-ʿArab li-Ibn Manẓūr - juzʾ - 2 / Majmūʿat Dirāsāt Maʿjamiyya, ṭabʿ thānī. (Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya: 1996)

[11] لسان العرب لابن منظور- جزء-2/ مجموعۃ دراسات معجمیۃ، طبع ثانی۔(دارالکتب العلمیہ:1996)
Lisān al-ʿArab li-Ibn Manẓūr - juzʾ - 2 / Majmūʿat Dirāsāt Maʿjamiyya, ṭabʿ thānī. (Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya: 1996)

[12] المنجد في اللغة لويس معلوف، طبع نوزدھم۔(المطبعۃ الکاثولیکیۃ—بیروت:2010)
al-Munjid fī al-Lugha Louis Maʿlūf, ṭabʿ nawzdaūm. (al-Maṭbaʿa al-Kāthūlīkiyya – Bayrūt: 2010)

[13] الرائد معجم لغوي عصري، جبران مسعود، طبع ھفتم۔(دارالعلم للملايين:1992)
al-Rāʾid Maʿjam Lughawī ʿAṣrī, Jubrān Masʿūd, ṭabʿ haftam. (Dār al-ʿIlm li-al-Malāyīn: 1992)

[14] Galtung, Johan. "Toward a conflictology: the quest for transdisciplinarity." In Handbook of conflict analysis and resolution, pp. 537-550. Routledge, 2008.

[15] Kellet. M. Peter, “Conflict Dialogue: Working With Layers of Meaning for Productive Relationships” (NewYork: SAGE, 2006), 7-11.

[16] Daniel R. Snodderly, “Peace Terms: Glossary of Terms for Conflict Management and Peacebuilding” (United States Institute of Peace Press, 2018), 22.

[17] Abu-Nimer, Mohammed. "Conflict resolution, culture, and religion: Toward a training model of interreligious peacebuilding." Journal of Peace Research 38, no. 6 (2001): 685-704.

[18] تفصیل کے لئے دیکھیے سیموئیل پی ہنٹنگٹن، تہذیبوں کا تصادم اور عالمی نظام کی تشکیلِ نو (انگریزی) پینگوئن بکس انڈیا، 1997
Tafṣīl ke liye dekhīye Sīmūʾīl Pī Ḥanṭingṭan, *Tadhībūn kā Taṣādam aur ʿĀlamī Niẓām kī Tashkīl-i Naw* (Inglīzī) Penguin Books India, 1997.

ایسے ماحول میں "مکالمہ" ہی وہ مؤثر طریقہ ہے جس سے تنازعات کے حل اور پر امن معاشرے کے قیام کی امید کی جا سکتی ہے۔ کسی ملک کی سیاسی، سماجی اور مذہبی قوتیں باہمی مکالمے سے ہی اپنے تنازعات کا دیرپا حل نکال سکتی ہیں۔

> "Peace building is the process of creating self-supporting structures that remove causes of wars and offer alternatives to war or in situations where wars might occur. Conflict resolution mechanisms should be built into the structure and be present there as a reservoir for the system itself to draw upon, just as a healthy body has the ability to generate its own antibodies and does not need ad-hoc administration of medicine."[19]

> "قیامِ امن ایک ایسے خود کار نظام کی تشکیل ہے جس میں جنگ و جدل کے اسباب کا تدارک کر کے متبادل حل دیے جائیں۔ حلِ تنازعات کا ایک ایسا نظام وضع کرنا اور پیش کرنا چاہیے جو بذاتِ خود تنازعات کے علاج کا منبع ہو جیسے ایک صحت مند جسم (بیماری کے خلاف) اپنا دفاعی نظام خود وضع کر لیتا ہے اور اسے عارضی طور پر دوائیوں پر انحصار نہیں کرنا پڑتا۔"

قیامِ امن کے لئے باہمی تنازعات کا مؤثر حل تلاش کرنا ہی سماجی ہم آہنگی کے فروغ کو ممکن بناتا ہے۔ یہ ایک پیچیدہ اور صبر آزماء عمل ہے جس کی لئے استقلال و استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔

> "Peace building is understood as a comprehensive concept that encompasses, generates, and sustains the full array of processes, approaches, and stages, needed to transform conflict toward more sustainable, peaceful relationships. The term thus involves a wide range of activities that both precede and follow formal peace accords."[20]

> "قیامِ امن ایک جامع تصور ہے جس میں ایسا نظام وضع کرنا ہوتا ہے جس میں وہ تمام اقدامات لیے جائیں جو اختلافات کو مضبوط تعلقات میں تبدیل کر دیں۔ قیامِ امن کی اصطلاح ان تمام مراحل، سرگرمیوں اور اقدامات کو شامل ہے جو کسی امن معاہدے سے پہلے یا بعد میں اٹھائے جاتے ہیں۔"

---

[19]Retrieved August 23, 2022, from http://www.alliancefor peacebuilding.org/2013/08/selected-definitions-of-peacebuilding
[20]Retrieved August 23, 2022, from http://www.allianceforpeacebuilding.org/2013/08/selected-definitions-of-peacebuilding

ان عبارات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ قیامِ امن اور ہم آہنگی کے فروغ کی غرض سے کئے جانے والے "سماجی، سیاسی، ومذہبی مکالمے "کا مقصد صرف تنازعات کا وقتی حل تلاش کرنا نہیں بلکہ ایک ایسے ماحول یا نظام کی تشکیل ہے جو پائیدار امن اور قابلِ اعتبار سماجی ہم آہنگی کی ضمانت دے۔

2۔اجتماعی اہداف کا حصول

ضروری نہیں کہ مکالمہ صرف غیر معمولی حالات، تصادم، شدید اختلافات، یا تنازعات کی صورت میں ہی شروع کیا جائے بلکہ مکالمہ کا ایک اہم مقصد اجتماعی مفادات کے حصول کے لئے سماجی ہم آہنگی اور قومی یکجہتی کا فروغ بھی ہوتا ہے تاکہ مستقبل کی بہتر منصوبہ بندی باہمی مشاورت سے کی جاسکے۔اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مکالمہ اپنی نوعیت میں ایک مسلسل سماجی عمل ہے جو زندگی کا لازمی جزو ہے اور بنیادی طور پر تمام سول سوسائٹی اس عمل کو آگے بڑھانے کی ذمہ دار ہے۔اس طریقے سے ہی معاشروں میں تنوع کا احترام، سماجی ہم آہنگی اور باہمی تعاون و تعامل کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔کوئی بھی ملک یا قوم اس وقت تک اپنے قومی مقاصد کو حاصل نہیں کر سکتی جب تک وہ متحد نہ ہو اور اتحاد کے لئے باہمی احترام، برداشت، صبر و تحمل اور مکالمہ کی روایت کو فروغ دینا ضروری ہے۔

3۔ سچائی کی تفہیم و تلاش

یاد رہے کہ مکالمے کا مقصد ہر گز نظریاتی تنوع کو ختم کرنا نہیں بلکہ اختلافِ رائے کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے باہمی اتحاد واتفاق کو فروغ دینا ہی مکالمے کا سب سے اہم ہدف ہوتا ہے، کیونکہ انسانوں کی حقیقی آزادی اور ترقی کے لئے بقائے باہمی کے اصولوں پر مبنی معاشرے کا قیام لازمی ہے۔چنانچہ نظریاتی مماثلات کی نشاندہی کر کے باہمی تعلقات کو مضبوط بنانا اور اختلافات کے بارے میں برداشت اور رواداری سے کام لے کر تکثیریت کے حسن کو برقرار رکھنا چاہئے۔البتہ صحت مند تکثیریت کی اولیں شرط یہ ہے کہ یہ مذہب اور فطرت کے عمومی اصولوں سے مطابقت رکھتی ہو، بصورتِ دیگر یہ اپنی تشریح اور حسن کو ضائع کر دے گی۔ سچائی کی تلاش سے ہی انسان روحانی واخلاقی منازل طے کرتا ہے،اس کے لئے دوسروں کے خیالات و نظریات سے آگاہی بھی ضروری ہے۔ کسی بھی چیز کو دیکھنے کے مختلف انداز اور زاویہ ہائے نگاہ ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بیک وقت ہر زاویہ نگاہ درست بھی ہو۔ مذاہب اور دیگر سماجی قوتوں کے درمیان اس لئے بھی رابطہ و مکالمہ ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے تجربات، نظریات، زاویہ نگاہ، اور خیالات سے آگاہی حاصل کریں اور مل کر سچائی کی راہ پر آگے بڑھ سکیں۔ایک مذہب کی سچائی دوسرے مذہب کی سچائی کی تصدیق کر سکتی ہے جیسا کہ قرآن پہلے ادیان کی تصدیق کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مکالمہ بین المذاہب کا مقصد لوگوں کو دین کی تبدیلی پر آمادہ کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اس کا منشا ان لوگوں سے علمی اور بعض صورتوں میں روحانی تعلق قائم کرنا ہے، جو عام حالات میں ایک دوسرے سے ملنے کا چارہ نہیں کرتے۔

مکالمے کے اصول و آداب

ضروری نہیں کہ مکالمہ ہر حال میں نتیجہ خیز ہو اور سب فریقوں کے درمیان اتفاق رائے پایا جائے۔ البتہ باہمی احترام کا اصول اپنا کر مکالمے کے عمل کو جاری رکھنے پر اتفاق کیا جا سکتا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ مکالمہ کامیاب ہو رہا ہے یا ناکام، مکالمہ کی کوشش ہی بذاتِ خود ایک قابلِ تعریف عمل ہے جس کا ابتدائی مقصد اس بات کا اعلان کرنا ہے کہ ہم مختلف آراء کے احترام، تکثیریت، برداشت، رواداری، امن اور گفت وشنید پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ عمل اگر کسی وقت نتیجہ خیز نہ بھی ہو تو بھی اس کو عجلت میں چھوڑ دینا عقل مندی نہیں۔ مکالمہ انسانوں کے مابین ابلاغ کا باعزت طریقہ اور انسانی وقار کا اظہار ہے۔ اجتماعی بھلائی اور خیر کے کسی عمل کے فوری مؤثر نہ ہونے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اس عمل کو ترک کر کے سماجی افراتفری کو کھلی چھوٹ دے دی جائے۔

مکالمہ تقاضا کرتا ہے کہ شرکاء گفت وشنید کے لئے کھلے ذہن اور سماج کے وسیع تر مفاد کو اپنے ذاتی مفاد، انا اور تنگ نظری پر ترجیح دیں۔ مکالمے کے دوران مفروضات اور تعصبات کی جانچ پڑتال کی جانی چاہیئے۔ اگر مقصد ایک ہو تو "مکالمے" کے دوران ایک فرد یا گروہ کو اپنے خیالات، دلیل یا مؤقف پر نظر ثانی کرنے کے لئے بھی تیار ہونا چاہیئے۔ مکالمے کے دوران دُوسروں کی بات توجہ سے سننی چاہیئے تاکہ اُن کے مؤقف کو درست طور پر جان سکیں، مشترکہ معانی تلاش کر سکیں اور وہ مقامات تلاش کر سکیں جہاں تعاون و ہم آہنگی ممکن ہو۔ مکالمے کے دوران ہماری توجہ بنیادی مسئلہ پر مرکوز ہونی چاہیئے اور دُوسروں کو بھی پُورا موقع دینا چاہیئے کہ وہ بھی اپنا مؤقف بیان کر سکیں۔

مؤثر مکالمہ میں مندرجہ ذیل آداب اور اصولوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اگر ان آداب سے صرفِ نظر کیا جائے تو مکالمہ ناکام ہونے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔

- تجربے، تفہیم اور عمیق مطالعہ کی بنیاد پر بات کی جاتی ہے۔
- دُوسروں کی بات سمجھنے کے لئے سنی جاتی ہے، جواب دینے کے لئے نہیں۔
- پہلے سے قائم معاندانہ مفروضات ترک کر دیے جاتے ہیں۔
- مکالمہ کے اغراض و مقاصد کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔
- مکالمہ کرتے ہوئے مناظرانہ اسلوب سے مکمل پرہیز کیا جاتا ہے۔
- مماثلات سے آغاز کیا جاتا ہے تاکہ باہمی اعتماد میں اضافہ ہو۔
- اختلاف کے آداب کا خیال رکھا جاتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مکالمہ کی اہمیت وحیثیت

یہ ایک نہایت اہم سوال ہے کہ اسلام نظریاتی تنوع اور سماجی ومذہبی تکثیریت کے بارے میں کیا اصول دیتا ہے؟ اس سوال کے تین اہم پہلوں اور جہتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ ہم پوچھیں کہ اسلام کیسے قانونی سطح پر تکثیری معاشرہ میں اپنی موجودگی کو دیکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ دریافت کرنا چاہیں گے کہ اسلام تکثیری معاشرے میں کیسے اپنا وجود برقرار رکھتا ہے اور مخالف قوتوں کے ساتھ بقائے باہمی اور اپنے مخالف معاشرتی طرزِ زندگی کو کس طرح تسلیم کرتا ہے؟ سوال کا دوسرا پہلو اخلاقی اور مذہبی ہے۔ یعنی دورِ حاضر کے تکثیری معاشرے میں اسلام دیگر مذاہب سے کیسے اپنا رشتہ جوڑتا ہے، جو مذہبی اور اخلاقی شعور کے حوالے سے آپس میں تھوڑے یا زیادہ مختلف ہیں؟ تیسرا پہلو مستقبل سے متعلق ہے۔ یعنی کیا تمام مذاہب میں آئندہ کی کسی منزل یا مشترکہ افق کا وجود ممکن ہے کہ جس کی طرف تمام اختلافات کے باوجود اکٹھے مل کر قدم بڑھایا جاسکے اور اس طرح باہمی مکالمے کے ذریعے انسانیت کو اتحاد واتفاق کی برکات سے بہرہ مند کیا جاسکے؟

اس سوال کے تمام پہلوؤں کا جواب اسلامی تعلیمات اور اسلامی تاریخ سے تلاش کریں تو معلوم پڑتا ہے کہ اسلام مجموعی طور پر بین المذاہب مکالمے، سماجی ہم آہنگی اور تکثیریت کے احترام پر یقین رکھتا ہے۔ اسلام ایک طرف تکثیریت کو خدا کی حکمت کے طور پر قبول کرتا ہے تو دوسری طرف یہ تکثیریت میں وحدت کی بنیاد کی بھی نشان دہی کرتا ہے۔ اس ضمن میں چند اہم آیات کا مطالعہ ضروری ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً[21]

(اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت بنادیتا۔)

اس آیت میں تنوع خدا کی منشاء معلوم ہوتا ہے۔ اس تکثیریت کی نشاندہی کے بعد قرآن مجید نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ انسانی تنوع اور تکثیریت میں وحدت بھی موجود ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

"اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ"[22]

(یہ تمھاری امت ایک ہی امت ہے اور میں ہی تمھارا رب ہوں تو تم میری ہی عبادت کرو۔)

اسلام کی تعلیمات کا ایک اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اس نے تکثیریت کا احترام تسلیم کیا ہے مگر کسی قسم کی تفرقہ بازی، فتنہ پروری، سماجی فساد، یا اختلاف برائے اختلاف کو تسلیم نہیں کیا۔ قرآن مجید ہمیں اتحاد واتفاق کے راستے پر چلنے کی ہدایت دیتا ہے، کیونکہ پرامن، بھرپور اور ہر اعتبار سے مخلوقِ خدا

---

[21] ھود 118:11 — Hūd 11:118

[22] الانبیاء 92:21 — al-Anbiyā᾽ 21:92

کی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے یہی راستہ بہترین مانا گیاہے۔قرآن مجید کی سورہ حجرات میں ایسی عظیم تعلیمات ہیں جو انسانی وحدت، ہم آہنگی اور احترام کے لئے مشعل راہ ہیں۔ارشاد ہے:

"يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقۡنَٰكُم مِّن ذَكَرٖ وَأُنثَىٰ وَجَعَلۡنَٰكُمۡ شُعُوبٗا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓاْۚ إِنَّ أَكۡرَمَكُمۡ عِندَ ٱللَّهِ أَتۡقَىٰكُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٞ"[23]

(اے لوگو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے اور رکھیں تمھاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو۔بے شک تم میں سے اللہ کے ہاں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔بے شک اللہ جاننے اور خبر رکھنے والا ہے۔)

مذکورہ بالا آیت نہایت خوبصورتی سے تمام بنی نوع انسان میں ایک خصوصی نسبی تعلق اور وحدتِ انسانی کو واضح کرتے ہوئے، قوم اور قبیلے جیسی تکثیریت کا بھی اعتراف کرتی ہے۔یعنی بنی نوعِ انسان اپنی تمام تر تکثیریت کے باوجود ایک نسبی تعلق میں جڑی ہوئی ہے۔اور ہم سب اپنے سلسلہ نسب میں اور اپنے اندرونی جذباتی تعلقات میں ایک ہی ماں باپ سے ہیں۔انسانوں کا یہی رشتہ ذاتی توجہ، دوستی اور بے غرضی کے ذریعے انہیں ایک وحدت کی لڑی میں پرو سکتا ہے۔

تکثیریت میں وحدت کے حوالے سے اسلام کا تصورِ امت ان بنیادی اصولوں پر قائم ہے، جس کا اظہار آپ ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃالوداع میں اس طرح ارشاد فرمایا۔

"ایها الناس الا ان ربکم واحد، وان اباکم واحد، کلکم لآدم وآدم من تراب، ان اکرمکم عندالله اتقکم۔"[24]

(اے لوگو تمھارا خدا ایک ہے، اور تمھارا باپ ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے، تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔)

آپ ﷺ کے اس تاریخی خطبہ میں ایسی اہم باتیں ہیں، جو فلسفہ اجتماعیت اور انسانی مساوات کے ساتھ مل کر فطری اور بنیادی حقوق کی بازیافت ممکن بناتی ہیں۔اسلام انسان کی بلحاظ انسان مساوات کا علمبردار ہے اور اللہ کی بارگاہ میں صرف تقویٰ کی بنیاد پر عظمت کو تسلیم کرتا ہے۔قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ انسان کو "نفس واحدہ" سے بنایا گیاہے۔ارشاد ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفۡسٖ وَٰحِدَةٖ [25]

(اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔)

قرآن مجید میں ہی ارشاد ہے کہ ایک انسان کا قتل ساری نسلِ انسانی کے قتل اور ایک انسان کی زندگی کا تحفظ تمام انسانوں کی زندگی بچانے کے مترادف ہے۔[26]

---

[23] الحجرات 13:49 — al-Ḥujurāt 49:13

[24] مسند احمد بن حنبل 411:5 — Musnad Aḥmad ibn Ḥanbal 5:411

[25] النساء 1:4 — al-Nisāʾ 4:1

[26] المائدہ 32:5 — al-Māʾida 5:32

قرآن مجید نے اس سے بھی آگے قدم بڑھاتے ہوئے مشترکہ عقائد بالخصوص ایمان باللہ کے اصول کو مکالمہ بین المذاہب اور تکثیریت میں وحدت کی بنیاد قرار دیا ہے۔

"قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ"[27]

(آپ فرمادیں: اے اہلِ کتاب! تم اس بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہیں بنائے گا، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ گواہ ہو جاؤ کہ ہم تو اللہ کے تابع فرمان (مسلمان) ہیں۔)

مختلف حوالوں سے دیکھا جائے تو مذہبی عقائد اور سماجی اقدار میں مشترکہ عناصر کی تلاش کا عمل ہی نئی اجتماعیت، اقوامِ عالم میں باہمی تعاون اور بقائے باہمی جیسے مقصد کے حصول کو یقینی بنا سکتا ہے۔ اسلام نے توحید کی بنیاد پر گفت وشنید کی دعوت دی ہے اور اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ لوگوں میں اتفاق واتحاد پیدا کرنے اور انہیں ایک دوسرے سے قریب لانے میں کسی مشترکہ بنیاد کا ہونا ضروری ہے۔ مذہبی نظریات میں اختلاف کے باوجود ان کے مشترکہ پہلوؤں اور مماثلات کو سامنے رکھ کر ان سے مکالمے کی روایت ڈالنا اسلام ہی کا کمال ہے۔

اسلام احترامِ انسانیت اور انسانوں کی عزت وآبرو کو سب سے مقدم سمجھتا ہے، کیوں کہ انسانوں کا سب سے حساس معاملہ ہی ان کی عزت و وقار ہے۔ بقائے باہمی اور تعاون وتعامل کے لئے ازحد ضروری ہے کہ انسان کی انسانیت کا بھرپور احترام کیا جائے اور یہ ایک فطری تقاضا بھی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلْنَٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا [28]

(اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (یعنی شہروں اور صحراؤں اور سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے فضیلت دے کر برتر بنا دیا۔)

لوگ سماجی ہم آہنگی کا مظاہرہ اسی صورت میں کرتے ہیں جب وہ محسوس کریں کہ ان کو انسانی عزت کی ضمانت دی جاتی ہے اور ان کا احترام بھی کیا جاتا ہے۔ پیدائشی اور اکتسابی عزتِ انسانی کا تصور اجتماعیت کے لئے سماجی تحریک اور قوموں کے رضاکارانہ تعاون کے لئے تخلیقی قوت ثابت ہو سکتا ہے۔

---

[27] آل عمران 64:3 — Āl ʿImrān 3:64

[28] الاسرآء 70:17 — al-Isrāʾ 17:70

اس لئے اسلام نے نظریاتی مماثلت (توحید) کے علاوہ شرفِ انسانیت کو بھی اہمیت دے کر گویا بقائے باہمی اور سماجی ہم آہنگی کی راہ ہموار کر دی ہے۔یعنی اگر نظریاتی مماثلت کا اصول ممکن نہ ہو تو انسانیت کی بنیاد پر ہی مکالمہ کا آغاز کیا جاسکتا ہے۔

ہمیں سیرتِ رسول ﷺ میں دیگر مذاہب کے وفود کے ساتھ حتی کہ بعض مواقع پر کفار کے ساتھ بھی مکالمے اور گفت وشنید کی مثالیں ملتی ہیں۔ سیرہ ابن اسحاق کے مطابق آپ ﷺ کے پاس نصرانیوں کے قبیلے نجران کے وفد سے قریب ساٹھ لوگ حاضر ہوئے، جن میں سے چودہ اشخاص انکے سردار تھے۔ جن میں امیر قوم، پادری، مدرس اعلی اور دیگر عقلاء شامل تھے۔یہ وفد مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا اور بعض معاملات و نکات پر گفتگو ہوتی رہی۔اس وقیع القدر مکالمے کے دوران مذہبی رواداری کا ایک بے مثال مظاہرہ بھی دیکھنے کو ملا جب ان لوگوں نے مسجدِ نبوی میں ہی اپنے مذہب کے مطابق عبادت کی۔ اس بات سے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں سے ہمارا بین المذاہب مکالمات کے آداب کے متعلق شعور اجاگر ہوتا ہے۔[29]

ریاست مدینہ کا قیام آپ ﷺ کی مذہبی اور سیاسی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے، آپ ﷺ نے مدینہ میں انصاف اور قانون پر مبنی ایک بے نظیر حکومت قائم کی، اور اسکی اساس مساوات پر رکھی۔انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کے لیے جملہ اصول وضوابط مرتب فرمائے،اس طرح ایک بے مثال معاشرے کی تشکیل کے لئے ایک تحریری قانون ودستاویز کو تدوین فرمایا،اس تحریری قانون کو میثاق مدینہ کہا جاتا ہے، شہرہ آفاق اسلامی اسکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق یہ دستاویز دنیا کی تاریخ کا پہلا تحریری قانون تھا، جو بین القبائل، بین المذاہب اور بین الاقوام یکجہتی کی ایک نایاب نظیر ہے۔یہ کہنا ناحق نہ ہوگا کہ ریاست مدینہ پہلی اسلامی مخلوط حکومت تھی جس میں عصر حاضر کے ایک مشہور نعرے Unity in Diversity کی عملی شکل تعبیر میں لائی گئی۔[30]

اسی طرح صلح حدیبیہ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ حکمت کا عظیم الشان واقعہ ہے۔اس موقع پر آپ ﷺ نے دشمن کے ساتھ مکالمہ کرنے، جنگ وجدل سے بچنے، صلح نامہ تحریر کروانے،اور وقت حاصل کرنے کے لئے جس صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔اس کامیاب مکالمے کے جو مثبت اثرات مرتب ہوئے ان سے کون واقف نہیں۔[31]

سماجی ہم آہنگی کے فروغ کے لئے صوفیاء کے طرزِ عمل سے بھی رہنمائی لی جاسکتی ہے۔اگرچہ تصوف کی روایت کا اصل مقصد تزکیہ نفس کے ذریعے انسان کی اخلاقی اور روحانی صلاحیتوں کی آبیاری ہے تاہم اس روایت میں اسلام کی تکثیری روح کی ارفع ترین صورت بھی منعکس ہوئی ہے اور

---

[29] بیہقی، دلائل النبوۃ ومعرفۃ أحوال صاحب الشریعۃ۔(دار الکتب العلمیۃ-دار الریان للتراث-1984)

Bayhaqī, *Dalāʾil al-Nubuwwa wa-Maʿrifat Aḥwāl Ṣāḥib al-Sharīʿa*. (Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya - Dār al-Rayyān lil-Turāth - 1984)

[30] Hamidullah, Muhammad. The first written constitution in the world. Chicago, IL: Kazi Publications, 1986.

[31] السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 441/3

al-Sīra al-Nabawiyya li-Ibn Hishām: 3/441

یہ انسانی تاریخ کے اعلیٰ کارناموں میں سے ایک ہے۔انفرادیت پسندی،اناپرستی اور نسل پرستی نے دنیا کو قوموں اور گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے، جبکہ تصوف نے اس مرض کا نفسی اور روحانی طریقے سے علاج کیا ہے جو "کثرت میں وحدت" اور "وحدت میں کثرت" کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔تصوف کی روایت میں عقل اور استدلال سے نہیں، بلکہ علمِ قلب پر مبنی مستحکم روحانی عمل اور کردار سے انسانی شناخت اس مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں انسان کی انفرادی شناخت اور انسانی ذات کی انا تحلیل ہو جاتی ہے اور وحدت انسانی کا گہرا شعور اجاگر ہوتا ہے۔اس طرح صوفی تمام انسانوں سے ان کے اختلافات کے باوجود محبت کرتا ہے۔وہ اس محبت میں ایک شمع کی مانند خود کو جلانے کے لئے تیار رہتا ہے، تاکہ انسانی فلاح اور خوشی کی طرف جانے والے راستے روشن ہو جائیں۔اسلامی تصوف ہم مشرب انسانوں اور عام انسانوں سے یکساں محبت کی تعلیم دیتا ہے۔صوفی انسانوں کے مابین جدائی، مخاصمت اور نزاع کو خلق میں زوال کی علامت سمجھتا ہے۔[32]

مکالمے کی حدود وقیود، مشکلات اور چیلنجز

مکالمہ بظاہر ایک آسان عمل نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں سوچ کی تبدیلی سے نظریہ سازی تک اور مکالمے پر عمل درآمد کے آغاز سے لے کر سماجی حقیقت بننے تک کا سفر انتہائی احتیاط کا بھی متقاضی ہے۔مکالمے کو تسلیم کرنے سے کیا مشکلات پیش آسکتی ہیں ان کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔سماجی قوتوں کے درمیان مکالمے کے دوران ابھرنے والے سوالات اور اختلافات کو برداشت کرنا ہی اصل امتحان ہے۔اس کے لئے صبر و تحمل، انسانی حقوق کے احترام، رواداری و برداشت، اختلاف کے آداب، جیت-جیت کی سوچ، ذاتی مفاد کی قربانی، اور اعلیٰ شعور و آگہی کی ضرورت ہے۔سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ مکالمہ کے ثمرات اور قیمت کا درست تقابل کیا جائے اور دیکھا جائے کہ کہاں تک کوئی فریق اپنی نظریاتی اساس میں وسعت، اقدار میں لچک اور موقف میں نرمی پیدا کر سکتا ہے اور کس حد سے آگے بڑھنا مذہبی شناخت، مذہبی اقدار اور قومی مفاد کے لئے خطرناک یا ناقابل قبول تسلیم ہو گا۔

ایک دوسرا چیلنج انسانی حقوق کی آزادی اور تکثیریت کی حفاظت کرتے ہوئے کسی نئے مسئلے کا جنم لینا بھی ہو سکتا ہے۔مثلاً تکثیریت کے احترام اور بقائے باہمی کے اصولوں کی تبلیغ کے نتیجے میں لادینیت کی آبیاری ہونے لگے تو اہلِ مذہب کے لئے ایک بڑا سوال یہ ہے کہ حریتِ فکر اور تکثیریت کے احترام کی حدود و قیود کیا ہیں۔علاوہ ازیں یہ تجزیہ بھی کرنا لازم ہو گا کہ آیا تکثیریت بقائے باہمی، اظہارِ رائے کی آزادی اور جمہوری رویے کی آبیاری سماجی ہم آہنگی میں اضافہ کریں گے یا سماج میں ایک نئی تقسیم کا باعث بن جائیں گے۔اصل مسئلہ ہی یہ ہے کہ جہاں ایک طرف "تکثیریت"

---

[32] ایک دنیا، سب کے لئے، پروفیسر آندریاس بشتہ (ایڈیٹر)، سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، 2003، ص95

کا تحفظ اور دوسری طرف "وحدت" کی تلاش جیسا اہم ایجنڈا ہو وہاں جرأت اور احتیاط دونوں ضروری ہیں۔ تکثیریت میں وحدت و ہم آہنگی نہ ہو تو صرف انتشار بچتا ہے اور اگر تکثیریت پر قدغن لگائیں تو سماجی زندگی کا حسن اور ارتقاء متاثر ہوتا ہے۔ تاہم ہر قدم پر احتیاط، شعور اور آگہی لازم ہے۔

مکالمے اور سماجی ہم آہنگی کے فروغ کے لئے تعلیمی اداروں کا کردار

اگرچہ پاکستان میں اس وقت بہت سے سماجی ادارے اور تنظیمیں قومی و مذہبی ہم آہنگی، مکالمہ بین المذاہب، انسانی حقوق کی آزادی و تحفظ، سماجی انصاف، جمہوری اقدار کے فروغ اور قانون کی بالادستی جیسے اہم مقاصد کے لئے کام کر رہے ہیں اور ملک میں بقائے باہمی اور ہم آہنگی کی فضا ہموار کرنے کی بھرپور کوشش میں ہیں۔ ان کے اس کام کی تحسین ہونی چاہئے تاہم سماجی ہم آہنگی، مکالمہ بین المذاہب، تکثیریت کے تحفظ واحترام اور فرقہ واریت کے خاتمہ کے لئے تعلیمی اداروں کو بھی اپنا مؤثر کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے مکالمہ بین المذاہب اور سماجی ہم آہنگی کے فروغ کے لئے باقاعدہ تعلیمی و تدریسی پروگرامز یا کورسز کا آغاز کرنا چاہیے۔ اس وقت جو تنظیمیں تعلیم و تربیت کا کام کر رہی ہیں، وہ اپنی ہیت اور نوعیت میں خالصاً تعلیمی ادارے نہیں ہیں اور بعض تنظیموں کی لیاقت اور اثرات بھی محدود ہیں۔ نیز ان اداروں اور تنظیموں کی نوجوان نسل تک براہِ راست رسائی بھی نہیں۔ لہذا یونیورسٹیوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس اہم کام پر توجہ دیں اور ایسی نوجوان نسل کی آبیاری میں اپنا کردار ادا کریں جو پر امن اور ہم آہنگ معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرنے لئے تیار ہوں، تاکہ ملک میں عارضی نہیں بلکہ حقیقی اور دیرپا امن قائم ہو سکے۔ اس مقصد کے لئے جو بھی تعلیمی پروگرام تشکیل دیا جائے اس میں مندرجہ ذیل خصوصیات ہونی چاہیں۔

1۔ سوچ اور زاویہ نگاہ میں وسعت پیدا کرے

سماجی غیر ہم آہنگی، عدمِ رواداری اور عدمِ برداشت کا ایک بڑا سبب تنگ نظری اور محدود زاویہ نگاہ ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ صرف اپنی سوچ اور زاویہ نگاہ کی صحت پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ رویہ بہت خطرناک ہوتا ہے اور بے شمار سماجی مسائل کا سبب بنتا ہے۔ لہذا تعلیم و تربیت کا جو بھی پروگرام ترتیب دیا جائے، اس میں یہ خوبی ہو کہ وہ شرکاء اور طلبا کی سوچ اور زاویہ نگاہ میں لچک اور وسعت پیدا کرے۔ اس مقصد کے لئے درست مشقوں اور مؤثر مثالوں کا استعمال کیا جائے۔ صوفیاء کرام کی تعلیمات کو عام کیا جائے۔

2۔ تخلیقی و تنقیدی فکر کی نشوونما کرے

سماجی مسائل اور عدمِ برداشت کا ایک بڑا سبب تخلیقی و تنقیدی فکر کی کمی ہے۔ لوگ اپنی اور دوسروں کی رائے کا درست تجزیہ نہیں کر پاتے اور ایک اندھی تقلید کا شکار ہو کر مسائل پیدا کرتے ہیں۔ بعض ایسے گروہ وجود میں آجاتے ہیں جو نوجوانوں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر کے سماجی ہم آہنگی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ طلبہ میں تنقیدی فکر پیدا کرنے کے لئے درست موضوعات، مؤثر مواد کے انتخاب اور ماہر اساتذہ، علماء، اور

دانشوروں کے لیکچرز کا اہتمام کیا جائے۔ تعلیمی نصاب میں قرآن و سنت اور اسلامی تاریخ کے حوالوں کی روشنی میں بنیادی انسانی حقوق، بین المذاہب اور بین المسالک مکالمہ کے بارے میں علماء کی تحریریں، ملکی آئین و قوانین سے آگاہی، سماجی ہم آہنگی کے اصول و آداب اور سائنسی و تنقیدی فکر کی آبیاری کا مکمل سامان میسر ہونا چاہیے۔

3۔بنیادی مہارتوں میں اضافہ کرے

بعض اوقات نیت وارادہ تو موجود ہوتا ہے اور سماجی ہم آہنگی کے لئے درکار رویہ اور وسیع القلبی بھی نظر آتی ہے، مگر متعلقہ مہارتوں کی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے سماجی ہم آہنگی اور تنازعات کے حل کا مقصد حاصل نہیں ہو پاتا۔ لہذا تعلیم و تربیت کے پروگرامز میں ایسی بنیادی مہارتوں کی تربیت کا مکمل بندوبست ہونا چاہئے جو مکالمے کی عملی تربیت، باہمی گفت وشنید کے آداب کی عملی تربیت، مذاکرات کی عملی تربیت، حلِ تنازعات کی مشق، قائدانہ صلاحیتوں میں اضافہ ،اہداف کے تعین کی تربیت، مکالمے کا ایجنڈا طے کرنے اور دوسروں کی بات سننے کی مہارت وغیرہ پر مشتمل ہو۔

خلاصہ ونتائج بحث

بقائے باہمی، سماجی انصاف و مساوات، باہمی احترام اور ہم آہنگی کے اصولوں پر مبنی پرامن معاشرے کی تشکیل (یا تشکیلِ نو) ایک عظیم مگر کثیر الجہتی ہدف ہے۔ جس کے لئے کثیر افراد، اداروں، موزوں وسائل اور مؤثر اقدامات کے ساتھ ساتھ انتہائی محنت طلب، جرات مندانہ، اور پر خلوص قیادت بھی درکار ہے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ افراد، ادارے اور سرکاری و غیر سرکاری تنظیمیں باہم مربوط اور مسلسل کوشش کریں تاکہ معاشرہ حقیقی معنوں میں رواداری، برداشت اور سماجی انصاف کے اصولوں پر استوار ہو سکے۔ تعلیمی ادارے خصوصاً جامعات صرف چند سیمینارز اور کانفرنسز تک محدود نہ رہیں بلکہ وہ مکالمے اور سماجی ہم آہنگی کے فروغ کی لئے باقاعدہ تعلیمی پروگرام یا کورسز کا آغاز کریں۔ اس مقصد کے لئے متعلقہ شعبہ جات کے اساتذہ کی تربیت بھی لازمی ہے۔ امن و ہم آہنگی اور سماجی انصاف و مساوات پر مبنی معاشرے کی تشکیل کا خواب اسی صورت میں پورا ہوگا جب ہم نوجوانوں کو اس مقصد کے لئے تیار کریں گے۔ سماجی، سیاسی، مذہبی اور تمدنی تنوع کو ایک دوسرے کی کمزوری، جنگ و جدل، لڑائی جھگڑے اور نفرت و شدت پسندی کا باعث بنانے کے بجائے اسے قدرتی حسن سمجھتے ہوئے تکثیریت میں وحدت پیدا کر کے ایک دوسرے کی ترقی و خوشحالی، ملکی سلامتی، قیامِ امن اور بقائے باہمی کا ماحول پیدا کیا جائے۔ یہ اس وقت ہوگا جب ہم جمہوری اقدار، آئینی بالادستی، باہمی گفت و شنید اور مکالمے پر یقین رکھیں گے۔ ملک میں سماجی تعامل اور باہمی احترام کا ایسا ماحول پیدا کیا جائے جس میں شہریوں کو ان کی سیاسی، مذہبی، لسانی، علاقائی اور تمدنی وابستگی کی بنیاد پر کسی امتیازی سلوک، تحقیر و تشدد اور تعصب و نفرت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ہر کسی کے لئے ترقی کے یکساں مواقع ہوں اور ملکی ترقی و استحکام میں سب اپنا کردار ادا کر سکیں۔